قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ (رواہ البخاری)

سلسلہ تبلیغ ۵۵

بار اول ۳۳۰۰

وعظ

ذکر الموتؒ

(مراقبۂ موت)

از افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ العزیز

عنوانات و حواشی

مولانا خلیل احمد تھانوی

شعبہ نشر و اشاعت جامعہ دار العلوم الاسلامیہ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

فون کامران بلاک: ۴۴۸۰۶۰ - ۵۲۲۲۲۱۳ فون پرانی انارکلی: ۷۳۵۲۷۲۸

جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ اکتوبر ۱۹۹۸ء

ذکر الموت

یہ وعظ

یکم جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۳۰ھ کو

بمقام جھنجھانہ ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی اصلاح کی ضرورت ہے اور اصلاح کے واسطے مراقبہ موت کا نسخہ استعمال کرنا چاہئیے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ جب یہ مراقبہ صحیح ہوجائے گا تو غلطی سے بھی گناہ نہ ہوگا۔

ذکر الموت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا و مولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ و بارک وسلم :

امابعد: فقد قال اللہ تعالیٰ ولن یؤخر اللہ نفساً اذا جاء اجلھا واللہ خبیر بما تعملون۔

(یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کو جبکہ اس کی عمر کی میعاد ختم ہونے پر آجاتی ہے ہرگز مہلت نہیں دیتے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے)

نافرمانی کا اصل سبب غفلت ہے

کل کے وعظ میں جو آیت کریمہ تلاوت کی گئی تھیں یہ آیت اس کا تتمہ ہے کل اس کا بیان بسطۃً ہوا تھا اس لیے آج اس کو پورا کیا جاتا ہے۔ اس آیت شریف میں ہمارے امراض کے علاج کی طرف حق تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے کل وعظ میں امراض کی تفصیل بیان کی گئی تھی۔ حاصل ان امراض کا یہ ہے کہ ہم

لوگوں کے اندر نافرمانی غالب ہے اور اس کی وجہ غفلت ہے اور ظاہر ہے کہ علاج بالضد[۱] ہوا کرتا ہے۔ اگر مرض سردی کی وجہ سے ہوتا ہے تو معالجہ گرمی سے کرتے ہیں اور اگر گرمی سے مرض ہو تو اس کا علاج سردی سے کیا جاتا ہے۔ غرض سبب کو زائل[۲] کیا جاتا ہے پس معالجہ کا حاصل ازالہ سبب ہوا[۳]۔

غفلت کا علاج

پس چونکہ ہمارے تمام امراض کا سبب غفلت ظاہر ہے کہ اس کا علاج ذکر وفکر[۴] ہے حق تعالیٰ شانہ نے اس جزو آیت میں موت اور بعد الموت[۵] کو یاد دلایا ہے جو ذکر وفکر کا ایک اہم و انفع فرد[۶] ہے سبحان اللہ کیا مختصر اور سہل تدبیر ہے کہ اس میں کچھ مجاہدہ و مشقت نہیں کچھ خرچ نہیں۔ دنیا میں چھوٹے چھوٹے امراض کے لیے سینکڑوں روپے صرف ہوجاتے ہیں اس میں کوئی مالی مشقت نہیں۔ کوئی بدنی تعب[۷] نہیں۔ اس لیے کہ حاصل اس علاج کا موت اور ما بعد الموت کا یاد دلانا ہے کہ آدمی تھوڑی دیر بیٹھ کر سوچ لیا کرے کہ مجھے مرنا ہے اور مر کر قبر میں جانا ہے اور وہاں سانپ بچھو ہیں یا جنت کے باغ ہیں اگر اچھے عمل ہیں تو قبر باغ ہے اور اگر برے ہیں تو سانپ بچھو ہیں اور پھر قبر سے اٹھنا ہے اور حساب کتاب کے لیے پیش ہونا ہے اور پلصراط پر چلنا ہے۔ اسی طرح تمام واقعات قیامت کو تفصیلاً یاد کرلیا کرے۔ فرمائیے اس میں کیا دشواری[۸] ہے کسی آمدنی

---

(۱) اس کی ضد سے (۲) دور (۳) علاج کا حاصل سبب کو دور کرنا ہے (۴) یاد دھانی اور سوچ بچار (۵) موت اور اس کے بعد ہونے والے واقعات (۶) زیادہ فائدہ مند (۷) تھکاوٹ (۸) مشکل

میں خلل نہیں پڑتا۔ بڑا عذر یہ لوگ یہ پیش کیا کرتے ہیں کہ ہم دنیادار آدمی ہیں۔ ہم سے کیا ہوسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے ذہن میں جمالیا ہے کہ دین بڑی مشکل شئے ہے اور اس میں بڑی مشقت ہے۔ یہی علاج جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔

دین پر عمل کرنا مشکل نہیں

بتلائیے اس میں کیا مشقت ہے کون سے کام میں حرج ہوتا ہے۔ بہت سی نفلیں نہیں پڑھوائی جاتیں۔ بہت سے وظیفے نہیں بتائے گئے اور منشاء دین[1] کو بھاری اور مشقت کی چیز سمجھنے کا یہ ہوا کہ لوگوں نے دیکھا کہ ایک جماعت ایسی ہے کہ تسبیح ان کے ہاتھ میں ہے اور رات دن سوائے درود و دعا، ذکر و فکر و تلاوت قرآن شریف اور ذکر کی ضربوں کے ان کا کوئی کام نہیں۔ نہ وہ تجارت کرتے ہیں نہ وہ زراعت کے کام کے ہیں نہ وہ نوکری کرسکتے ہیں۔ سوائے اللہ و رسول اللہ ﷺ کے ذکر کے ان کو دنیا کا کوئی کام نہیں۔ اس سے یہ سمجھے کہ دیندار ایسے ہی ہوتے ہیں اور جو ایسا نہ ہو وہ دیندار نہیں لہذا ہم کیسے دیندار ہوسکتے ہیں ہم تو تجارت، نوکری، زراعت میں مبتلا ہیں۔ دنیا کے سینکڑوں دھندے[2] ہم کو لگے ہوئے ہیں۔ ہم کس طرح خالی ہو کر ان کی طرح بیٹھ جائیں اور اس سے یہ نتیجہ ذہن میں جم گیا کہ دین بڑی مشکل شئے[3] ہے اور ہم سے ہرگز اس پر عمل نہیں ہوسکتا۔

---

(۱) دین کو بھاری اور مشقت کی چیز سمجھنے کی وجہ یہ ہے (۲) دنیا کے بہت سے کام ہم سے وابستہ ہیں (۳) چیز

حقیقت دین

صاحبو! خوب سمجھ لو کہ یہ چیزیں بھی اپنے درجے میں مرغوب و مندوب[١] ہیں جبکہ آدمی بالکل فارغ ہو کر دین کی حقیقت میں داخل نہیں کہ اگر یہ اشیاء ہوں تو دین ہو اور اگر نہ ہوں تو دین کا وجود نہ ہو۔ دین نام ہے امتثال مامور بہ[٢] کا اور ضروری مامور بہ جس قدر ہے وہ بہت سہل ہے[٣] اس میں کوئی بکھیڑا نہیں۔ شریعت نے یہ حکم نہیں دیا کہ نہ اچھا کھاؤ نہ اچھا پیو اور نہ زراعت کرو نہ تجارت نہ نوکری، نہ حرفت، ہاتھ پاؤں توڑ کر مسجد میں بیٹھے رہو بلکہ سب کچھ کرو مگر حدود سے باہر نہ نکلو۔ دین کے بڑے بڑے ارکان یعنی نماز، روزہ، حج، زکوۃ سب میں غور کیجیے کہ انکے کرنے میں کیا مشقت ہے۔ دنیا کا کونسا کام بند ہوتا ہے زکوۃ میں شاید کوئی کہے کہ اس میں مال کاخرچ ہے تو سمجھ لیجیے کہ امم سابقہ پر زکوۃ چوتھائی مال تھا۔ اس امت پر یہ رحمت ہے کہ صرف چالیسواں حصہ ہی فرض ہے۔ اور پھر اس میں بھی شرط یہ ہے کہ سال بھر اس مال پر گزر جائے پھر اس مال کا قابل نمو ہونا[٤] بھی شرط ہے۔ سو اگر آدمی کو سلیقہ ہو تو بذریعہ تجارت سال بھر میں اس کو بڑھا سکتا ہے اور اگر خود سلیقہ نہ ہو تو سبحان اللہ کیا رحمت اور انعام ہے کہ اس کا بھی طریقہ بتلادیا ہے کہ مضاربت[٥] پر کسی کو مال دیدو۔

---

(١) پسندیدہ اور مستحب ہیں (٢) جن چیزوں کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کی بجا آوری کا نام دین ہے (٣) اور ضروری احکام جتنے ہیں وہ بہت آسان ہیں (٤) بڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہو (٥) ایک طریقہ تجارت ہے کہ ایک شخص کا پیسہ ہو دوسرے کا کام

مضاربت

مضاربت یہ ہے کہ مال ایک کا ہو اور محنت دوسرے کی اور نفع میں دونوں شریک، لیکن اس میں یاد رکھنے کی بات ہے کہ نفع معین نہ کرے جیسے آج کل معین کر لیتے ہیں کہ دس روپے ماہوار لیا کریں گے یہ جائز نہیں۔ بلکہ حصہ معین کرے کہ تین چوتھائی مثلاً تیرا اور باقی ہمارا یا نصف نصف مثلاً اگر شارع'' چاہتے تو اس عقد کو حرام کر دیتے اور اس کے نفع کو سود میں داخل کر دیا جاتا لیکن بندوں کی ضرورت پر نظر کر کے اس کی اجازت دے دی۔ غرض تجارت کرنے کی اجازت اور تجارت کرانیکی اجازت اس سے زیادہ اور کیا سہولت ہو سکتی ہے۔ پس اگر کسی کے پاس سو روپے ہوں اور سال میں دس روپے نفع ہو تو کچھ بعید نہیں تو اس میں سے اڑھائی روپیہ دیدینا کیا مشکل ہے یہی سمجھ لیا جائے کہ ساڑھے سات ہی نفع ہوا ہے۔ پھر مزید برآں وعدہ ہے **اولئک هم المضعفون** یعنی زکوۃ دینے والے اپنے مال کو دوگنا چوگنا کرنے والے ہیں یعنی زکوۃ دینے سے یہ مت سمجھو کہ مال کم ہوتا ہے بلکہ بڑھتا ہے اور یہ بڑھنا آخرت میں تو ہو گا ہی دنیا میں بھی ہوتا ہے بعض لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم جب سے عشر دینے لگے ہیں اس وقت سے ہمارے یہاں پیداوار زیادہ ہونے لگی ہے۔ اور دیکھیے ایک سرکاری قانون کی قدر اس لیے کرتے ہیں کہ تنخواہ میں سے کاٹ کر اور اس کا سود لگا کر بڑھا کر اس ملازم کو دیتی ہے افسوس ہے کہ اللہ تعالی باوجود اس کے کہ دوگنا چوگنا دے اور اس کی قدر نہیں اور پھر بڑھنا دوگنے تک ہی نہیں بلکہ سات سو تک اور اس سے

---

(۱) اللہ تعالی

زیادہ بھی بڑھا دیتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی چھوہارہ صدقہ دیتا ہے تو حق تعالٰی اس کو بڑھاتے رہتے ہیں حتی کہ وہ احد پہاڑ کے برابر ہوجاتا ہے۔ دیکھیے اگر احد پہاڑ کے ٹکڑے ایک چھوہارے کے برابر کریں تو کتنے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ اب بتلایئے کہ زکوٰۃ دینے سے کیا خسارہ ہوا۔ بعض لوگ کہیں گے کہ ہم تو گن کر روپے رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دینے کے بعد پھر گنتے ہیں تو کم ہوجاتا ہے بڑھنا تو در کنار برابر بھی نہیں رہتا۔ بات یہ ہے کہ بڑھنے کی حقیقت اور غرض پر اگر نظر ہوتی تو یہ شبہ ہی نہ ہوتا۔

مال بڑھنے کی غرض

مال کے بڑھنے کی غرض یہ ہے کہ وہ بڑھا ہوا مال اپنے کام آئے چنانچہ اگر کسی کے پاس کروڑوں روپیہ ہو اور اس کے کام نہ آئے بلکہ فضولیات میں ضائع ہوجائے اور ایک شخص کے پاس دس روپے ہیں لیکن دس کے دس اس کے کام آئے یہ شخص اس سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔ سو ہم کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتے ہیں کہ دو شخص ہیں اور ان کی برابر آمدنی ہے مگر فرق اتنا ہے کہ ایک زکوٰۃ دیتا ہے اور تمام حقوق واجبہ ادا کردیتا ہے سو اس کی چین و آرام سے زندگی گزرتی ہے اور دوسرا شخص جو حقوق ادا نہیں کرتا اور ہمیشہ پریشانی میں رہتا ہے۔ آج چوری ہوگئی کل کوئی مقدمہ قائم ہوگیا۔ خود بیمار ہوگیا۔ بچے بیمار ہوگئے عطار کے ہاں روپیہ جارہا ہے۔ طبیب کی فیس میں خرچ ہورہا ہے۔ بخلاف پہلے شخص کے کہ جس قدر آمدنی ہے وہ سب اس کے کام آرہی ہے جو مال کے بڑھنے سے غرض ہے وہ

اس کو حاصل ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ جس قدر لیتے ہیں اس سے زیادہ دیدیتے ہیں اور پھر جو لیتے ہیں وہ اپنے لیے نہیں وہ بھی تمہارے ہی لیے ہے۔

حاصل یہ ہے کہ زکوۃ میں کچھ مشقت نہیں بلکہ ہر طرح سے سہولت اور نفع ہی ہے دنیوی بھی اور اخروی بھی۔

احکام شرعیہ میں سہولتیں

علیٰ ہذا حج میں کوئی دشواری نہیں ہے جس کے پاس اپنی حاجت اصلیہ سے زائد اس قدر خرچ ہو کہ مکہ معظمہ تک سواری میں چلا جائے اور چلا آئے اور سفر میں رہنے تک اہل و عیال کو خرچ دے جائے اس کے ذمے حج واجب ہے مدینہ طیبہ اگر ہمت اور خرچ ہو تو جانا سنت ہے۔ آج کل لوگ اس غلطی میں ہیں کہ حج کے لیے مدینہ منورہ کا خرچ بھی لگاتے ہیں اور اگر مدینہ طیبہ کا خرچ نہ ہو تو حج کو فرض نہیں سمجھتے یاد رکھو جس کے پاس مکہ معظمہ تک آنے جانے کا خرچ ہو اس کے ذمے حج واجب ہو جاتا ہے۔ مدینہ طیبہ جانا فرض نہیں بتلایئے اس میں کیا خسارہ[۱] ہے بلکہ بعض لوگوں کو اور نفع ہو جاتا ہے کہ تجارتی مال لے جاتے ہیں اگرچہ بلا ضرورت اولیت[۲] کے خلاف ہے اور ایک نفع یہ ہے کہ تجربہ بڑھتا ہے۔ خصوصاً ترقی یافتہ حضرات تجربہ کو اتنا بڑا نفع سمجھتے ہیں کہ اس کے واسطے ہزار ہا روپیہ خرچ کر دیتے ہیں۔ غرض سمجھ میں نہیں آتا کہ احکام شرعیہ میں کوئی حکم بھی ایسا ہو جس میں مال اور جان کا ضرر[۳] ہو۔ مال کا ضرر نہ ہونا تو میں ثابت ہی کر چکا ہوں اور جان

(۱) نقصان (۲) خلاف اولیٰ ہے یعنی اچھا نہیں (۳) نقصان

کے متعلق ارشاد ہے لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا یعنی اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی وسعت سے زائد تکلیف نہیں دیتے ہیں دیکھیے اگر نماز کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھ لو اگر وضو نہ کر سکو پانی نقصان کرتا ہو تو تیمم سے پڑھ لو اور اگر پانی نقصان نہیں کرتا لیکن بیماری سے حرکت نشست و برخاست[1] میں تکلیف ہوتی ہے تو دوسرے سے التجا کرنا ضروری نہیں ہے۔ شریعت اس کو بھی معذور قرار دیتی ہے ہاں اگر کوئی اپنا خادم اور محکوم ہو تو اس سے وضو میں استعانت[2] ضروری ہے۔ اگر راستے میں ڈول رسی نہ ہو اور دوسرے کے پاس ڈول رسی ہو اور مانگنے سے جی رکتا ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مانگنا واجب نہیں وغیر ذالک من التسھیلات (اور اس کے علاوہ بہت سی سہولتیں ہیں)

قانون شریعت دنیا کے تمام قوانین سے زیادہ آسان ہے

میں تو کہتا ہوں کہ دنیا کے قوانین ایک جگہ جمع کر لو اور شریعت کو ایک طرف سب سے زیادہ آسانی شریعت میں دیکھو گے افسوس ہے کہ آج کل لوگ شریعت کو خونخوار[3] سمجھتے ہیں اصل یہ ہے کہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ شتر بے مہار کی طرح پھریں ایسے مطلق العنان[4] لوگ دنیا میں بھی خوار اور ذلیل ہیں اور یہ جو ظاہری عزت ان کو حاصل ہے اور لوگ ان سے ڈرتے ہیں۔ یہ ایسی ہے جیسے بھیڑیے اور شیر سے ڈرتے ہیں اگر ابھی شیر یا بھیڑیا آجائے۔ سب اس کی تعظیم

(۱) اٹھنے بیٹھنے میں (۲) وضو کے لیے مدد لینا (۳) پھاڑ کھانے والی (۴) بالکل آزاد پھریں

کے لیے کھڑے ہوجائیں چنانچہ پیٹھ پیچھے ان ہی لوگوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ بخلاف ان لوگوں کے جو خدا تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں کہ ان کی عزت بھی عزت ہے۔ ان کی تعظیم وتکریم لوگ دل سے کرتے ہیں اور پیٹھ پیچھے مدح وثنا کرتے ہیں۔ یہ تو ان آزاد لوگوں کے لیے دنیا میں ہے اب آخرت کی نسبت سنیئے فرماتے ہیں۔ ذق انک انت العزیز الکریم یعنی چکھ مزہ عذاب کا بے شک تو بڑا عزیز ومکرم ہے۔ یہ ابو جہل کو خطاب ہے یہ وہاں عزت ہوگی۔ عزیز کریم بطور طعن و تہکم (استہزاء) کے فرمایا۔ سو لوگ ایسی مطلق العنانی کو جس میں دنیا اور دین دونوں میں رسوائی ہو پسند کرتے ہیں۔

شریعت میں سراسر منفعت[1] وراحت ہے

شریعت کو کہ جس میں سراسر منفعت وعزت وراحت ہے چھوڑتے ہیں غور کرکے دیکھیئے کہ جن معاملات میں ہم نے شریعت کو چھوڑ دیا ہے اور نئی رسوم مقرر کرلیے ہیں کس قدر دقتوں میں واقع ہوگئے ہیں۔

مہر کی کم از کم مقدار

ایک شادی کے طریقہ کو دیکھیئے کہ شریعت نے اس میں اس قدر آسانی فرمائی ہے کوئی قید نہیں لگائی اس کا پابند نہیں فرمایا کہ مہر ہزار ہی روپے کا ہو کم از کم مقدار پونے تین روپے مقرر فرمادی[2] جس کو ادنی استطاعت والا بھی ادا کرسکتا

---

(۱) فائدہ (۲) یہ اس وقت کا ذکر ہے جب روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اب نہیں ہے بلکہ حنفیہ کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے جس کا وزن ۲ تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے اتنی چاندی کی قیمت کے برابر کم از کم مہر ہونا لازمی ہے

ہے روپیہ کی کچھ مقدار نہیں اور وہ بھی نکاح کے وقت دینا ضروری نہیں۔ جب ہوسکیں دیدو اور اگر عورت معاف کردے تو معاف بھی ہوجاتا ہے۔ نقد ایک پیسہ کا خرچ نہیں۔ چھوارے اگر ہوں تو مستحب ہے۔ واجب فرض نہیں بلکہ نکاح میں یہ برکت رکھی ہے کہ اس سے غنا حاصل ہوتا ہے۔ لوگوں کو سن کر تعجب ہوگا کہ نکاح سے غنا کیسے حاصل ہوتا ہے ہم تو اس کا برعکس دیکھتے ہیں کہ خرچ بڑھنے سے اور مصیبت ہوجاتی ہے۔

نکاح سے غنا کس طرح حاصل ہوگا

صاحبو! آپ غور نہیں کرتے اگر ہر شئے کی روح اور حقیقت پر نظر ہو تو ان سب دعووں کا سمجھنا سہل[1] ہے بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ مسلمہ[2] ہے کہ التدبیر نصف المعیشت (گھر کا انتظام وتدبیر آدھی معیشت ہے) یہ مسئلہ تمدن کا ہے اگر دس روپے ہوں اور ساتھ ہی تدبیر بھی تو اس میں بیس روپے کام چل سکتا ہے۔ بعض امور خانہ داری کے ایسے ہیں کہ مرد اکیلا پانچ روپے میں گزر نہیں کرسکتا بیوی اگر عاقلہ ہو تو پانچ روپے میں اپنا اور دوسرے کا گزر کرے گی اور بغیر تدبیر اور عقل کے ہزاروں روپیہ بھی کافی نہیں۔

عورتوں کا کفران عشیر

آج کل عورتیں حقیقت میں گھر کو کھوتی ہیں بعض تو اپنے ماں باپ

(۱) آسان (۲) یہ بات سب تسلیم کرتے ہیں کہ

بھائیوں کو دیتی ہیں بعض کپڑوں اور زیور میں روپیہ برباد کرتی ہیں اور جس قدر ان کو دیا جائے ان کی نظروں میں کچھ اس کی قدر نہیں۔ کفرانِ عشیر[1] گویا ان کا جزو ذات[2] ہے بقول مولوی عبدالرب صاحب مرحوم کے عورتوں سے جب کبھی پوچھا جاتا ہے کہ تم کو کچھ کپڑوں کی ضرورت ہے یا کافی مقدار میں موجود ہیں تو یہی کہیں گی کہ میرے پاس کیا ہے دو چیتھڑے[3] اور جب برتنوں کا ذکر آتا تو کہتی ہیں کیا ہیں دو ٹھیکرے[4] جوتہ کی نسبت پوچھو تو کہتی ہیں کیا ہے دو لیترے[5] یہ نرا قافیہ بندی نہیں حقیقت یہی ہے کہ اس فرقے کے اندر شکر گزاری مطلق نہیں الاماشاء اللہ اور شب و روز فضولیات میں لگی رہتی ہیں اگر کوئی شئے[6] سامنے آجاتی ہے اور پسند آجائے تو اگرچہ ضرورت نہ بھی ہو مگر پھر بھی لے لیتی ہیں اور پوچھنے پر یہ جواب دیتی ہیں کہ گھر میں ہوئی چیز کبھی نہ کبھی کام آجاتی ہے اور شادی میں تو ایسا بے تکا روپیہ اڑاتی ہیں کہ خدا کی پناہ اگر پاس نہ ہو تو قرض لیتی ہیں خواہ سودی ملے اور مشہور یہ کر رکھا ہے کہ شادی اور تعمیر کا قرضہ ضرور ادا ہوجاتا ہے تو ایسی عورتوں کا تو ذکر نہیں۔ باقی اگر فضولیات سے باز آجائیں اور انتظام سے چلیں تو وہ رونق ہوجاتی ہے کہ دس روپے میں مرد نہیں کرسکتا تو دیکھیے شادی کرنے سے افلاس اس طرح دور ہوجاتا ہے بہرحال شادی میں تھوڑا سا خرچ ہوا اور اس کے بدلے گھر میں رونق ہوگئی لیکن شرط یہی ہے کہ سلیقہ سے کام لیا جائے۔

---

(۱) شوہر کی ناشکری (۲) ذات کا حصہ (۳) دو پھٹے پرانے کپڑے (۴) مٹی کے دو برتن (۵) پھٹے پرانے جوتے (۶) چیز

شریعت کو پس پشت ڈالنے کے نتائج

شریعت کی سہولت تو آپ نے شادی کے بارے میں ملاحظہ فرمائی اب دیکھیے کہ بجائے شریعت کے جو قواعد آپ نے شادی کے اندر مقرر کیے ہیں ان سے کس قدر کلفت[1] واقع ہوئی کہ شادی جس کو شریعت نے بہت ارزاں کیا تھا۔ آپ نے اس کو کس قدر گراں کردیا ہے کہ منگنی سے لے کر فراغت تک اس قدر بکھیڑے اور خرچ اس میں بڑھادیے ہیں کہ جن کا شریعت میں کہیں پتہ نہیں۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لڑکے لڑکیاں بڑی عمر تک کنوارے رہتے ہیں اور سنت نکاح سے محروم رہتے ہیں اور بہت سے گناہوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور جنہوں نے قرض دام[2] کرکے شادی کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج گھر نیلام ہورہا ہے۔ کل جائداد بک رہی ہے۔ یہ سب نتائج شریعت کو چھوڑنے کے ہیں۔

غمی میں شریعت کا پاکیزہ قانون

اسی طرح غمی کو دیکھیے کہ اس میں ضروری جزو صرف اس قدر ہے کفن دفن کیا جائے۔ اس میں کس قدر خرچ ہے لیکن اگر اس قدر خرچ بھی کسی کے پاس نہ ہو تو سبحان اللہ دیکھیے کیا پاکیزہ قانون ہے کہ عامہ مسلمین کے ذمے اس کا کفن دفن ہے۔ علاوہ اس کے جو فضولیات اختراع[3] کر رکھی ہیں وہ بالکل قابل حذف[4] ہیں۔ مثلاً تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں وغیرہ ان کا شریعت میں کہیں پتہ نہیں اپنی طرف سے اختراع کرکے مصیبت میں پڑتے ہیں۔ اب خیال فرمایئے کہ

(۱) پریشانی (۲) قرض پیسے لیکر (۳) گھڑ رکھی ہیں (۴) ترک کے قابل

شریعت میں کیا دشواری ہے کہ آمدنی کے ابواب[1] بند کردے۔ مثلاً سود، رشوت، جوا وغیرہ دوسرے یہ کہ ہماری آزادی کو بند کردیا۔ رشوت اور جوئے کا جواب تو بہت ظاہر ہے کہ اس کے تسلیم کرنے میں ہمارے نوجوان تو ہرگز تامل ہی نہ کریں گے وہ یہ کہ رشوت و جوا سرکاری قانون میں بھی ممنوع ہے۔ **فماھو جوابکم فھو جوابنا**[2]۔

سود کا وبال

ربا سود اس کے بارے میں ارشاد ہے۔ **یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات** یعنی جو اللہ تعالیٰ ربوا (سود) کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔ مٹانے کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ آج گن کر سو روپے رکھے تھے۔ دوسرے دن پچاس رہ گئے یا بالکل نہیں رہے۔ بات یہ ہے کہ مال کا اصل مقصود یہ ہے کہ اپنے یا اپنی اولاد کے کام آئے۔ کھانے پینے اور دیگر حوائج[3] میں صرف ہو اور سود خور کی آمدنی اس کے کام نہیں آتی۔ فضول اڑجاتی ہے۔ یا تو مکانات کی تعمیر میں روپیہ اڑجاتا ہے یا رنڈیوں اور شراب خواری میں ضائع ہوجاتا ہے اور دوسرا وبال سود کا یہ ہے کہ سود خوار سے کسی کو محبت نہیں ہوتی اور سرمایہ راحت آپس کی محبت والفت ہے ہم نے خود دیکھا ہے کہ سود خوار لوگوں میں نہ باپ کو بیٹے سے محبت ہے نہ بیٹے کو باپ سے سود خوار ہر شخص کے نزدیک ساقط النظر[4] ہوتا ہے اور نیز اس کو کسی

(۱) سب دروازے (۲) پس جو تم اس میں جواب دو وہی ہمارا جواب ہے (۳) ضرورتوں (۴) نظروں سے گرا ہوا

وقت راحت نہیں ہوتی۔ ہر وقت ادھیڑ بن میں رہتا ہے اور اسی فکر میں رہتا ہے کہ کسی طرح دس کے بیس ہوجائیں۔ دنیا کی نعمتوں سے محروم رہتا ہے۔ یہ مٹانے کی روح ہے اب بے تکلف آپ کی سمجھ میں یمحق اللہ الربوا (اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں) کے معنی آگئے ہوں گے نیز کبھی قرضداروں کے پاس روپیہ مارا بھی جاتا ہے۔ بہر حال یہ دعویٰ بالکل محفوظ ہے کہ شریعت آسانی کی طرف بلا رہی ہے اور آپ کا دستور و عرف دشواری[1] میں ڈال رہا ہے اور نیز یہ بھی محقق[2] ہوا کہ شریعت پر عمل کرنے سے راحت ہی راحت ہے اور شریعت کو چھوڑنے میں دشواری ہی دشواری ہے مگر لوگوں کی یہ حالت ہے کہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم مطلق العنان[3] رہیں۔ اس لیے شریعت کی پابندی دشوار معلوم ہوتی ہے لیکن واقع میں دین میں کوئی مشقت نہیں۔

علاج غفلت کے دو اجزاء

پس اسی طرح دین کے اس حکم میں بھی جس کا ذکر ہو رہا ہے کوئی دشواری نہیں کہ موت و مابعد الموت[4] کو سوچا کرو پس ثابت ہوگیا کہ حق تعالیٰ نے جو اس آیت شریف میں علاج ارشاد فرمایا ہے وہ بے حد سہل[5] ہے حاصل علاج کا یہ نکلا کہ موت اور مابعد الموت کو یاد کرلیا کرے سو دیکھیے یہ علاج اس قدر سہل اور سستا ہے کہ اس میں نہ جان کا خرچ ہے نہ مال کا اور موثر ایسا کہ حقیقت میں اگر دنیا بھر کے

---

(۱) مشکل (۲) یہ بھی تحقیق سے ثابت ہوگیا کہ (۳) بالکل آزاد رہیں (۴) موت اور اس کے بعد کے حالات (۵) آسان

حکماء بقراط و سقراط بھی جمع ہو کر سوچتے تو ایسے آسان علاج تک ان کے ذہن کو ہر گز رسائی نہ ہوتی تو ایسے شدید مرض کا علاج چند لفظوں میں ارشاد فرمادیا پس علاج کے صرف دو جزو ہیں ایک موت کا یاد کرنا اور دوسرے مابعد موت کی طرف اشارہ فرمایا واللّٰہ خبیر بما تعملون سے اشارہ مابعد الموت کی طرف ہے اس لیے کہ ترجمہ اس کا یہ ہے کہ جو کچھ دن رات کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب کی خبر رکھنے والے ہیں تو اس خبر دینے کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم کو سب خبر ہے تو سب اعمال کی جزاء سزادیں گے جیسے استاد شاگردوں سے کہتا ہے یا آقا نوکر سے کہا کرتا ہے کہ مجھ کو تمہاری سب حرکتوں کی اطلاع ہے۔ مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کی سزا ملے گی اور جزا و سزا اعمال کی جو کچھ ہوگی وہ مابعد الموت ہوگی۔ پس حاصل علاج کا یہ ہوا کہ موت اور مابعد الموت کو یاد کرو اور حدیث میں بھی اس علاج کا ذکر آیا ہے۔

موت هاذم اللذات ہے[1]

چنانچہ فرمایا اکثروا ذکرھاذم اللذات (یعنی لذات کی قطع شکست کرنے والی شئے (موت) کو بہت یاد کیا کرو۔ سبحان اللہ کیا خوبصورت عنوان سے حکم فرمایا ہے یہ نہیں فرمایا کہ موت کو یاد کیا کرو بلکہ موت کو ہاذم اللذات سے تعبیر فرمایا۔ اس میں ایک بڑی گہری بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ بات یہ ہے کہ آدمی جو گناہ کرتا ہے یا دنیا کے مال و جاہ میں منہمک ہوتا ہے تو مقصود اور غایت سب کی تحصیل لذت ہے اور جب یہ یاد کرے گا کہ یہ سب ایک دن ختم

(۱) لذتوں کو مٹانے والی ہے

ہوجائے گا اور اس کا تصور ہوگا تو مزہ ہی نہ آئیگا اور جب مزہ ہی نہ آئیگا تو وہ گناہ بھی چھوٹ جائے گا۔ دنیا میں اس کی بہت مثالیں موجود ہیں مثلاً کسی بڑے عہدے پر ہے مثلاً ڈپٹی کلکٹر ہے لیکن اس پر کوئی مقدمہ بھی قائم ہے جس سے خوف غالب ہے کہ اس عہدہ سے برطرف کردیا جائیگا۔ اس کو اس کلکٹری میں خاک بھی لذت نہ ہوگی۔ غرض کلیہ قاعدہ ہے کہ جس شئے میں انقطاع[1] کا خوف ہوتا ہے اس میں لذت نہیں رہتی ہے۔

موت ہر لذت کو ختم کرنے والی ہے

پس حاصل حدیث شریف کا یہ ہوا کہ اگر تم سے گناہ بوجہ لذت کے نہیں چھوٹتے تو ہم علاج بتاتے ہیں کہ تم یہ یاد کرلیا کرو یہ لذات سب ختم ہونے والی ہیں جب اس کا تصور کامل ہوگا تو گناہ چھوٹ جائیں گے اور موت سے تو تمام لذات کا خاتمہ ہوجاتا ہے جو بہت ظاہر ہے۔

موت کے دو مقدمات

موت کے جو مقدمات ہیں ان سے بھی لذت ختم ہوجاتی ہے موت کے دو مقدمے ہیں بیماری اور بڑھاپا۔ دیکھ لیجیے دونوں سے لذات کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ بیماری میں کسی شئے کا لطف نہیں رہتا۔ اچھے اچھے لذیذ کھانے کڑوے معلوم ہوتے ہیں۔ سب شہوانی جوش و خروش ختم ہوجاتے ہیں بلکہ بولنا تک برا معلوم

(۱) جس چیز کے ختم ہونے کا خوف ہو اسی میں لذت نہیں ہوتی

ہوتا ہے۔ بعض مرتبہ کسی کا پوچھنا اور عیادت کرنا برا معلوم ہوتا ہے۔

عیادت میں تھوڑی دیر بیٹھنے میں حکمت

اسی واسطے تو حدیث شریف میں آیا ہے من عاد منکم مریضا فلیخفف الجلوس (یعنی جو شخص تم میں سے کسی مریض کی عیادت کرے تو چاہیئے کہ کم بیٹھے) سبحان اللہ شریعت کی کس قدر گہری نظر ہے کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی پوری نظر ہے اور یہ بجز نبی ﷺ کے کسی کا کام نہیں۔ کوئی کتنا ہی بڑا فلاسفر ہو مگر اس کی نظر ایسے دقائق[1] تک کہاں پہنچ سکتی ہے اکثر لوگ آج کل ایسی غلطی کرتے ہیں کہ بیمار کے پاس بیٹھ کر مجلس آرائی کرتے ہیں ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہیں۔ اس کا جی چاہتا ہے کہ آرام کرے یا کروٹ بدلے لیکن ان کے لحاظ سے بیچارہ ایک حالت سے لیٹا رہتا ہے۔ یہ بڑی سخت غلطی ہے۔ ہاں اگر مریض سے ایسی بے تکلفی ہو کہ اس کو اس سے کچھ لحاظ نہ ہو اور اس لیے آرام میں خلل نہ ہو بلکہ اور اس سے انس و راحت ہو تو وہ مستثنیٰ ہے۔ اس لیے کہ علت اس حکم کی ایذا ہے اور وہ یہاں مرتفع[2] ہے۔ حاصل یہ کہ مرض میں کسی شئے کی حلاوت[3] نہیں رہتی۔ ہر امر میں بے لطفی ہو جاتی ہے۔ نہ کھانے کو جی چاہتا ہے نہ پینے کو۔ اسی واسطے تو فرمایا ہے۔ **لاتکرھو مرضا کم علی الطعام** اور مریضوں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کرو۔ آج کل اس کے بھی خلاف کرتے ہیں اور مریض کو مجبور کرتے ہیں کہ کچھ کھا ہی لے۔ خاص کر مائیں بچوں کو بے انتہا مجبور کرتی ہیں۔ یاد رکھو بعض مرتبہ

---

(۱) باریک باتوں (۲) نہیں پائی جاتی (۳) کسی چیز کا مزہ نہیں رہتا

کھانے سے اور مرض بڑھ جاتا ہے بلکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے ایسا ہرگز نہ کرو اس کے آگے فرماتے ہیں۔ فان اللّٰہ یطعمھم و یسقیھم یعنی اللہ تعالیٰ ان کو کھلا پلا دیتے ہیں۔ حقیقت میں بعض مریضوں پر بیس بیس دن گزر جاتے ہیں اور بالکل نہیں کھاتے اور پھر جس قدر کمزوری ہونا چاہیئے اس قدر نہیں ہوتی۔ تندرست آدمی اگر اتنے دنوں تک نہ کھائے تو بہت ضعیف ہو جائے۔ اس کے اعتبار سے مریضوں کو اتنا ضعف نہیں ہوتا اگر کوئی کہے کہ ہم رات دن بیمار کے پاس بیٹھے رہتے ہیں۔ کسی وقت جدا نہیں ہوتے اور خود بھی بیمار پڑتے ہیں مگر کبھی اللہ تعالیٰ کو کھلاتے پلاتے نہیں دیکھا بات یہ ہے کہ کھلانے پلانے سے جو مقصود ہے وہ حاصل ہو جاتا ہے۔

کھانے پینے سے مقصود

کھانے پینے سے مقصود قوت ہے۔ وہ برابر رہتی ہے اس لیے کہ رطوبات فضلیہ بدل ما یتحلل بنتی رہتی ہیں[1] اس لیے اس کو قوت رہتی ہے اور رطوبت کا اس طرف منصرف کر دینا یہ کام بھی حق تعالیٰ ہی کا ہے۔ پھر کھلانے پلانے میں کیا شبہ رہا۔ حاصل یہ ہے کہ ایک مقدمہ موت کا تو یہ تھا دوسرا مقدمہ بوڑھاپا ہے کہ اس میں بھی سارے مزے ختم ہو جاتے ہیں کھانے کا لطف نہیں رہتا۔ اس لیے کہ کھانے کا لطف بھوک پر ہے۔ جوانی میں جیسی بھوک لگتی ہے وہ بوڑھاپے میں نہیں رہتی پس اگر کچھ بھوک ہو بھی تو جو شئے چاہیں وہ نہیں کھا سکتے اس لیے کہ دانت

(۱) زائد رطوبتیں اس کی غذا کا بدل بنتی رہتی ہیں جس سے غذائی کمی پوری ہو جاتی ہے

سب رخصت ہوگئے اسی طرح سرد پانی نہیں پی سکتے کہ نزلے کی تحریک ہوجاتی ہے۔ تازہ پانی یا گرم پانی پیتے ہیں سونے کا آرام جاتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ اول تو گھر میں نیند نہیں آتی پھر یبوست دماغ میں[1] اس قدر ہوتی ہے کہ وہ سونے نہیں دیتی۔

جوانی گئی زندگانی گئی

حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کا یہ شعر جوانی گئی زندگانی گئی الخ سن کر ہم کو تعجب اور اشکال ہوتا تھا کہ جوان جانے سے زندگانی کیسے جاتی رہی مگر جب اپنے اوپر گزری تو معلوم ہوا کہ واقعی بوڑھاپے میں زندگانی کا لطف نہیں۔ ہماری ایک تائی تھیں اللہ تعالیٰ ان کو بخشے وہ بوڑھاپے کے مصائب سے موت کی تمنا کیا کرتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بوڑھا ہو کر اگر گناہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے۔

لعنت تین شخصوں پر

حدیث شریف میں تین شخصوں پر لعنت آئی ہے اول ملک کذاب یعنی جھوٹے بادشاہ پر اس لیے کہ جب وہ بادشاہ ہے تو اس کو جھوٹ کی کیا ضرورت۔ جھوٹ تو وہ بولے جو کسی سے دبتا ہو اور جب اللہ تعالیٰ نے اس کو سلطنت عطا فرمائی ہے تو اس کو کیا حاجت ہے۔ دوسرے عائل[2] متکبر پر لعنت آئی ہے یعنی غریب ہو کر تکبر کرے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض غریب باوجود بہتی شکستہ

(۱) دماغ میں خشکی (۲) غریب متکبر پر

حالی کے بھی اینٹھ[1] مروڑ میں رہتے ہیں۔ امیر بیچارے ریچ[2] جاتے ہیں۔ مگر یہ غریب اپنی شیخی میں رہتے ہیں۔ خاص کر تقریبات میں اکثر اینٹھ جاتے ہیں اور بلانے سے بھی نہیں آتے۔ تقریب والے مناتے ہیں خوشامدیں کرتے ہیں مگر ان کی ناک ہی سیدھی نہیں ہوتی۔ ہمارے یہاں ایک مالدار شخص تھے ان کے یہاں تقریب تھی۔ ایک مفلس شخص کو جو کہ ان کے یہاں مدعو تھے اور انتظار طعام میں بیٹھے تھے۔ ان کے یہاں کا سامان دیکھ کر بہت حسد ہوا۔ سوچنے لگے کہ کوئی عیب نکلے چنانچہ ایک بات نکلی سقاء[3] کارخانہ میں جارہا تھا۔ اسکی مشک میں ایک سوراخ تھا۔ اس میں سے پانی نکل کر ان کے کپڑوں پر گرا۔ بس شیخ صاحب کہاں تھے چھنیک[4] کر کھڑے ہوگئے اور خدا جانے گھر والے کو کیا کیا کہا۔ اب مناتے ہیں ملتے نہیں۔ ایسوں کا علاج تو یہ ہے کہ ان کو منہ نہ لگانا چاہیے۔ اگر خفا ہوجائیں بلا سے تیسرے شیخ زانی پر لعنت آئی ہے اور بد نگاہی اور دل کے اندر خیال پکانا بھی زنا ہی میں داخل ہے اور وجہ یہ ہے کہ تقاضا کرنے والی تو کوئی چیز اندر ہے نہیں جو مجبور کرے۔ اس پر بھی کمبخت مبتلا ہوتا ہے تو یہ زیادہ موجب وعید ہے۔ یہ وقت تو وہ تھا کہ ذکر و فکر میں گزارتا۔

بوڑھاپا پیغام موت ہے

اسی واسطے تو فرماتے ہیں اولم نعمرکم ما یتذکر فیہ من تذکر وجاءکم النذیر یعنی کیا ہم نے تم کو ایسی عمر نہیں دی کہ اس میں

(۱) اکڑتے رہتے ہیں (۲) نرم پڑجاتے ہیں (۳) ماشکی (۴) جھید کر

نصیحت و عبرت حاصل کرے وہ شخص جو نصیحت حاصل کرنا چاہے اور تمہارے پاس ڈرانے والا آیا۔ مراد نذیر سے بوڑھاپا ہے۔ اس لیے کہ بوڑھاپا پیغام موت ہے اس لیے اس کو نذیر فرمایا۔ غرض بوڑھاپا پیغام موت ہے کیونکہ بچوں کو تو یہ بھی امید ہے کہ جوان ہو کر کچھ کریں گے اور جوانوں کو یہ خیال ہے کہ بوڑھے ہو کر کچھ کریں گے۔ اگرچہ یہ خیال اور امید بھی سراسر باطل ہے اس لیے کہ یہ کیا معلوم ہے کہ جوانی اور بوڑھاپا ضرور آئے گا بلکہ اس زمانہ میں تو اکثر پہلے ہی پہلے ختم ہوجاتے ہیں لیکن خیر عامی خیال میں تو اس کی گنجائش ہے لیکن ان بوڑھوں کو کیا امید ہے یہ کس بات پر بھولے ہوئے ہیں۔ حاصل یہ کہ مرض اور بوڑھاپا کہ دونوں مقدمات موت سے ہیں۔ انہی سے دیکھیے لذت کیسے قطع ہوجاتی ہے۔ سو خود موت تو کیسی کچھ قاطع لذت[1] ہوگی پس عنوان سے ذکر موت کو معالجہ میں اور زیادہ دخل ہوا۔ بالجملہ معالجے کا حاصل موت کو یاد کرنا ہے اور اس وقت ایک لطیفہ اور یاد آیا وہ یہ کہ علاج بھی وہ فرمایا جس میں سراسر اسی کا نفع ہے اور اس حیثیت سے مکلف کو اپنے نفع کے لیے اس کا اختیار کرنا ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے امر پر کوئی شخص کسی خاص اجرت یا انعام کا مستحق نہیں ہوسکتا بلکہ مرض کا علاج بتلانے والا اگر کوئی اجرت یا فیس مانگنے لگے تو گنجائش ہے مگر اللہ اکبر کیا رحمت ہے کہ علاج بھی بتلایا اور اس کے علاج کے کرنے پر خود ایک انعام کا بھی وعدہ فرمایا۔

---

(۱) لذت کو ختم کرنی والی ہوگی

دن میں چالیس مرتبہ موت کو یاد کرنے کا اجر

چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص دن بھر میں چالیس مرتبہ موت کو یاد کرے تو اس کو شہادت کا مرتبہ ملتا ہے اور شہادت کا مرتبہ معلوم ہے کتنا بڑا ہے کہ شہید ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور بے حساب و کتاب جنت میں جاتا ہے۔ سو علاج کے ساتھ انعام بھی کیسی عنایت ہے۔ اس پر ایک مثال یاد آگئی مجھ کو ایک مرتبہ بچپن میں والد صاحب نے مسہل[1] دیا میں وہ مسہل پیتا نہ تھا تو والد صاحب نے فرمایا کہ ہم تم کو ایک روپیہ دیں گے اگر تم یہ پی لو۔ دیکھیے وہ ہمارے ہی نفع کے لیے تھی اگر ہم پئیں گے ہمارا ہی نفع ہوگا نہ پئیں گے تو اس کا ضرر ہم کو ہوگا لیکن دوا پینے پر بھی انعام دیا جاتا ہے۔ یہ غایت شفقت ہے۔ شفاخانہ میں تو ذرا تجربے کرکے دیکھو۔ اس سے حق تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں پر رافت و شفقت کا اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے نفع کے لیے ایک علاج تجویز فرمایا اور پھر اس انعام کا وعدہ بھی یعنی شہادۃ جو کہ اعلیٰ مراتب میں سے ہے اس کے عطاء کا وعدہ یہ تو ذکر موت کی فضیلت ہوئی جس کو میں نے انعام سے تعبیر کیا۔ باقی رہے اس کے آثار جن کے ترتب کے اعتبار سے[2] اس کا یاد کرنا علاج قرار دیا گیا ہے۔ سو وہ یہ ہیں کہ موت کو جب کثرت سے یاد کرے تو دنیا سے دل اس کا سرد[3] ہوجائے گا اور دنیا کے بکھیڑوں میں پڑنا پسند نہ کرے گا اور اس کی مؤید ایک نظیر[4] ہے وہ یہ کہ جس زمانہ میں طاعون پھیلا تھا اس وقت یہ حالت تھی کہ کام تو

---

(۱) دست لانے والی دوا (۲) مرتب ہونے کے اعتبار سے (۳) دل بجھ جاتا ہے (۴) اس کی تائید میں ایک

دنیا کے سب کرتے تھے بازار والے، تجارت والے، زراعت والے، سب اپنا اپنا کام کرتے تھے مگر سب میں ایک سوناپن'' تھا کہ کسی کام میں جی نہ لگتا تھا اذا اصبحت فلا تحدث نفسک بالمساء واذا امسیت فلا تحدث فی نفسک بالصبح (یعنی جب صبح کا وقت آوے تو شام کا انتظار مت کرو اور جب شام کا وقت آوے تو صبح کا انتظار مت کرو) کا مرتبہ ہر شخص کو بلا مجاہدہ حاصل تھا۔

طاعون اللہ کی رحمت ہے

یہ اثر کس چیز کا تھا صرف موت کے یاد رہنے کا اور اس حیثیت سے طاعون کا ایک رحمت ہونا ثابت ہوتا ہے مگر بعض لوگ جہل سے طاعون کو ملعون اور بعض غایت جہل سے ملاعون بالالف کہتے ہیں لیکن اوپر کی تقریر سے معلوم ہوگیا کہ طاعون خدا کی ایک رحمت ہے۔ دعا تو یہی کرو کہ طاعون نہ ہو کیونکہ مصیبت ہے لیکن اگر ہوجائے تو اس کو برا بھی نہ کہو کہ ایک رحمت ہے اور اس میں کچھ منافات نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ ہر شے کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت ظاہر صورت تو طاعون کی مصیبت ہے اس اعتبار سے تو دعا کا حکم ہے اور حقیقت اس کی رحمت ہے۔ اس کے اعتبار سے اس سے نہ بھاگنے کا حکم ہے۔ اب لوگ اس سے بھاگتے ہیں اور پریشان ہوتے ہیں اور برا کہتے ہیں۔ پریشانی کی کیا بات ہے مقدر میں جو کچھ ہوگا واقع ہوگا۔ ہم لوگوں کا تقدیر پر پورا اطمینان نہیں

(۱) خاموشی سی تھی

ورنہ پریشانی بالکل بھی نہ رہے۔ حضرت علیؓ جنگ صفین میں گھوڑے پر سوار تھے اور اسی حالت میں آپ سو رہے تھے۔ کسی نے کہا کہ ایسی حالت میں آپ اطمینان سے سو رہے ہیں فرمایا کہ دو قسم کے دن ہیں ایک وہ جن میں موت لکھی ہوئی ہے ان میں ٹل نہیں سکتی پھر پریشانی کی کیا بات ہے۔ اللہ اکبر کس قدر توکل ہے۔ دوسرا قصہ ان کے محقق ہونے کا بھی بیان کردوں تا کہ کسی کو اس مسئلہ میں غلو اور غلط فہمی نہ ہوجائے۔

وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ آپ تقدیر پر ایمان لاتے ہیں فرمایا کہ ہاں اس نے کہا کہ اگر تقدیر پر ایمان ہے تو اس دیوار سے کود پڑو اگر مقدر ہوگا تو زندہ رہو گے ورنہ نہیں فرمایا کہ مجھ کو اپنے مولا کے امتحان لینے کا کب حق حاصل ہے جو کچھ مقدر میں ہے ہوگا تو وہی لیکن حق تعالیٰ سے عافیت طلب کرنا چاہیے اور احتیاط رکھنا چاہیے چنانچہ حدیث میں ہے۔ **سلوا اللّٰہ العافیہ** (اللہ تعالیٰ سے عافیت کی درخواست کرو) پس نہ طاعون سے اس قدر گھبرانا چاہیے جیسے کہ لوگ بھاگتے پھرتے ہیں کہ ایمان بالقدر کے منافی[1] ہے ورنہ مقام طاعون میں بے ضرورت گھسنا چاہیے بلکہ مشروع احتیاط[2] و دعائے عافیت کرنا چاہیے الحاصل جس طرح طاعون کے زمانے میں تمام لذات سے دل برداشت ہوجاتا ہے اسی طرح ہر زمانہ میں موت کے ذکر سے تمام لذات سے دل سرد ہوجائے گا اور گناہ چھوٹ جائیں گے اور شہادت کا مرتبہ ملے گا وہ مزید براں اور راز شہادت کے ملنے میں یہ ہے کہ شہید پر تو ایک ہی مرتبہ تلوار چلی ہے اور اس ذاکر

(۱) مسئلہ تقدیر پر ایمان کے خلاف ہے (۲) بلکہ شریعت نے جو احتیاط بتائی ہے وہ عافیت کی دعا کرنا ہے

موت کو چونکہ ہر وقت نفس سے مقابلہ رہتا ہے اس لیے اس پر ہر دم تلواریں چلتی ہیں ایک جزو تو علاج کا یہ ہوا۔

دوسرا جزو یہ ہے کہ مابعد الموت یعنی جزاو سزا کو یاد کرنا جس کا اصل مقام احرار آخرت ہے اور اصل مقام اس لیے کہا کہ دنیا میں بھی کسی قدر جزاء و سزا ہوجاتی ہے چنانچہ رسالہ جزء الاعمال میں اس کو عقلاً و نقلاً ثابت کردیا ہے ان العبرة لیحرم الورزق بخطیتہ یعملھا یعنی بے شک بندہ رزق سے محروم ہوجاتا ہے بہ سبب گناہ کے جس کو وہ کرتا ہے۔

گناہ کا اثر

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ بعض دن گھوڑا شرارت کرتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ آج مجھ سے ضرور کوئی گناہ ہوا ہے چنانچہ سوچنے سے گناہ یاد آجاتا ہے اور بعض دن گناہ کی وجہ سے بیوی بچے مجھ سے لڑتے ہیں یہ تو نافرمانی کی سزائیں ہیں اسی طرح فرمانبرداری پر جزائیں ملتی ہیں چنانچہ اس کے بعض آثار کی نسبت فرماتے ہیں۔

تو ہم گردان از حکم داور پیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

(تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے روگردانی مت کرو تمہارے حکم سے بھی کوئی روگردانی نہ کرے گا)

حق تعالیٰ شانہ کی اطاعت کا اثر

چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ کی ایک حکایت حضرت مولانا گنگوہیؒ سے سنی کہ سہارنپور میں ایک مکان تھا اس میں جن کا سخت اثر تھا جس سے وہ مکان متروک[1] کردیا گیا تھا۔ اتفاق سے حضرت حاجی صاحبؒ پر ان کلیر[2] سے واپس ہوتے ہوئے سہارنپور تشریف لائے تو مالک مکان نے حضرت کو اسی مکان میں ٹھہرایا کہ حضرت کی برکت سے جن دفع ہوجائیں گے۔ رات کو تہجد کے واسطے جب حضرت اٹھے اور معمولات سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص سامنے آکر بیٹھ گیا۔ حضرت کو حیرت ہوئی کہ باہر کا آدمی اندر کوئی نہ تھا اور کنڈی لگی ہوئی ہے پھر یہ کیسے آیا حضرت نے پوچھا کہ تم کون ہو اس نے کہا حضرت میں وہ شخص ہوں جس کی وجہ سے یہ مکان متروک ہوگیا یعنی جن ہوں مدت دراز سے حضرت کی زیارت کا مشتاق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آج میری تمنا پوری کی حضرت نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور پھر مخلوق کو ستاتے ہو توبہ کرو حضرت نے اس کو توبہ کرائی پھر فرمایا کہ دیکھو سامنے حافظ صاحب تشریف رکھتے ہیں ان سے بھی ملے ہو۔ اس نے کہا نہ حضرت! ان سے ملنے کی ہمت نہیں ہوتی وہ بڑے صاحب جلال ہیں ان سے ڈر لگتا ہے۔ صاحبو! اللہ کی فرمانبرداری وہ شئے ہے کہ جن وانس سب مطیع ہوجاتے ہیں۔

حکایت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب مجذوبؒ

حافظ غلام مرتضیٰ صاحبؒ ہمارے یہاں ایک مجذوب تھے مگر ایسے پاک باز

(۱) خالی چھوڑ دیا گیا (۲) جگہ کا نام ہے

مجذوب تھے کہ کبھی ننگے نہ ہوتے تھے اور سلیقہ دار اس قدر تھے کہ ایک مرتبہ جلال آباد تشریف لے گئے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت آپ نے بڑی تکلیف فرمائی فرمایا یوں نہ کہو مجھ کو تکلیف کرنے کی کیا غرض تھی بلکہ یہ کہو کہ حضرت آپ نے کرم فرمایا۔ ان کی حکایت سنی ہے کہ حافظ صاحبؒ ایک مرتبہ جنگل میں کھڑے تھے اور بھیڑیے دونوں طرف ان سے کھلاڑیاں کر رہے تھے۔ میرے نانا صاحب بھی وہاں تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ حضرت یہ بھیڑیے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کون بزرگ ہیں کون نہیں۔ فرمایا کہ یہ آدمیوں کو نہیں کھایا کرتے ان کی غذا جانور ہیں ہم کو کچھ نہ کہیں گے۔

بعض اہل کشف بزرگوں کے واقعات

اس پر مجھ کو شاہ عبد العزیزؒ کی حکایت یاد آگئی کہ شاہ صاحب جامع مسجد میں آتے تھے تو عمامہ آنکھوں پر جھکا لیا کرتے تھے اور ادھر ادھر نظر نہ فرماتے تھے۔ ایک شخص نے اس کا سبب دریافت کیا شاہ صاحبؒ نے اپنا عمامہ اس کے سر پر رکھ دیا دیکھا کہ جامع مسجد میں بجز دو چار آدمیوں کے سب گدھے کتے بندر بھیڑیے پھر رہے ہیں فرمایا کہ اسی وجہ سے میں اس صورت سے آتا ہوں۔ مجھ کو سب کتے بندر وغیرہ نظر آتے ہیں اور طبیعت پریشان ہوتی ہے اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ جس شخص کے اندر جو خصلت غالب ہوتی ہے اہل کشف و اہل بصیرت کو وہ شخص اس جانور کی شکل میں نظر آتا ہے جس کے اندر وہ خصلت ہو مثلاً اگر کسی میں ستانے کی صفت ہے وہ کتے کی شکل میں نظر آئیگا اگر تملق مذموم[1] کی خصلت ہو

(۱) ناپسندیدہ چاپلوسی

تو بلی کی شکل میں۔ حیلگری[1] ہو تو لومڑی کی شکل میں متشکل ہو گا اور قیامت میں بھی انہیں شکلوں میں اٹھیں گے۔

دیوبند میں ایک بزرگ تھے مولانا فریدالدین صاحبؒ اور ان کے زمانہ میں ایک مجذوبہ تھی۔ وہ ننگی پھرا کرتی تھی۔ اس سے کسی نے پوچھا کہ تو پردہ کیوں نہیں کرتی اس نے کہا کہ بیلوں گدھوں سے پردہ کا حکم نہیں ہے۔ ایک روز وہ حسب عادت ننگی پھر رہی تھی۔ اسی حالت میں اس نے کہا کہ کپڑا لاؤ مرد آگیا۔ تھوڑی دیر میں مولانا فریدالدین تشریف لائے۔ پس حقیقت میں آدمی تو فرمانبردار ہی ہے باقی تو سب جانور ہیں۔

کشف کوئی بڑا کمال نہیں

ان حکایات سے کوئی کشف کو بڑا کمال نہ سمجھا جائے کیونکہ جانور بھی صاحب کشف ہوتے ہیں دلیل اس کی یہ ہے کہ عذاب قبر کے بارے میں حدیث میں آیا ہے۔ **یسمعه کل دابة غیر الثقلین** (یعنی اس کو سوائے جن وانسان کے ہر حیوان زمین پر چلنے والا سنتا ہے) پس جو لوگ طالب کشف ہیں وہ نادان ہیں یہ کوئی کمال مقصود نہیں کمال تو رضا اور قرب ہے یہ حکایتیں صرف اس کی تائید میں لایا ہو کہ اطاعت کرنے والوں کو دنیا میں بھی یہ نعمتیں مل جاتی ہیں کہ مخلوق ان کی عظمت اور اطاعت کرنے لگتی ہے الحاصل بندہ مطیع کی سب شے مطیع ہو جاتی ہے حتی کہ کفار کے دل میں بھی اس شخص کی محبت ہوتی ہے۔

---

(۱) حیلے بہانے بنانے

دنیا میں اطاعت کے ثمرات

یہ جزائیں ہیں فرمانبرداری کی جو دنیا میں ملتی ہیں لیکن اصل مقام اس کا ما بعد الموت ہے۔ اسی واسطے واللہ خبیر بما تعملون (اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے) سے ما بعد الموت کو یاد دلاتے ہیں اور ما بعد الموت[1] قبر سے شروع ہوجاتا ہے اس لیے قبر سے جنت دوزخ میں جانے تک جو حالات پیش آنے والے ہیں سب کو فرداً فرداً سوچے کہ مجھ کو مرنا ہے اور قبر میں جانا ہے وہاں منکر نکیر[2] آئیں گے وہ سوال جواب کریں گے۔ اس کے بعد حشر ہوگا وہاں جو شدت ہوگی اس کو یاد کرے کہ زمین گرم ہوگی اس پر پاؤں نہ رکھے جائیں گے کہیں سایہ نہ ہوگا۔

سات آدمی سایہ عرش الٰہی میں

سوائے عرش کے اور وہ سایہ سات آدمیوں کو ملے گا ایک ملک عادل دوسرے شاب عابد تیسرے جس کا دل مسجد میں زیادہ لگتا ہو چوتھے جو خلوت میں خدا کو یاد کرکے رونے لگے پانچویں جن دو شخصوں میں اللہ کے واسطے محبت ہو چھٹے جو خفیہ خیرات کردے ساتویں جس کو کوئی عورت حسین بلائے اور وہ خدا کے خوف سے رک جائے۔ پھر سوچے کہ حساب کا وقت آئیگا ہر شخص کو الگ الگ بلایا جائے گا وہاں کوئی وکیل، بیرسٹر نہ ہوگا۔ جب یہاں کی عدالت کی جرح کا تحمل نہیں تو وہاں کیسے ہوگا۔ پھر صراط[3] کو یاد کرکے اس پر چلنا ہوگا وہ تلوار سے

---

(۱) مرنے کے بعد کا زمانہ (۲) دو فرشتے جو سوال کریں گے ان کے نام ہیں (۳) پل صراط

زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہوگا اس کے بعد جہنم اور اس کے قسم قسم کے عذاب کو یاد کرے۔ غرض ایک وقت مقرر کرکے اسی طرح ہمیشہ بلاناغہ کم از کم ایک گھنٹہ یہ مراقبہ کرلیا کرے اول اول تکلف سے یہ یاد ہوگی اور خاص وقت میں یاد ہوگی پھر رفتہ رفتہ اکثر وقت میں اور ہر وقت یہ حالت پیش نظر رہنے لگے گی اور معصیت[1] چھوٹ جائیگی۔ چنانچہ جن لوگوں پر یہ حالت غالب ہوجاتی ہے ان سے کبھی نافرمانی نہیں ہوتی۔

ایک بادشاہ اور فقیر کی حکایت

یہاں مجھ کو ایک حکایت یاد آگئی ایک بادشاہ ایک فقیر کے معتقد تھے اور ان کی خدمت میں جایا کرتے تھے اور ہمیشہ دیکھتے تھے کہ وہ فقیر ایک گولی روز کھاتے ہیں۔ بادشاہ نے ایک دن پوچھا کہ حضرت یہ گولی کیسی ہے فقیر نے ایک گولی بادشاہ کو بھی دیدی۔ بادشاہ نے وہ گولی کھالی شب[2] کو اس کے سبب شہوت کا جوش ہوا کہ محل میں جس قدر بیبیاں، لونڈیاں تھیں سب سے قربت کی لیکن ان سے بھی تسلی نہ ہوئی۔ بادشاہ کے دل میں وسوسہ گزرا کہ میں نے یہ گولی آج ہی کھائی ہے میری یہ حالت ہوئی اور یہ فقیر روزانہ کھاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پاس عورتیں آتی ہیں اور اس وسوسہ نے اس کو زیادہ پریشان کیا۔ ان بزرگ کو بذریعہ کشف اس خطرہ کی اطلاع ہوئی جب دوسرے روز بادشاہ آئے تو چاہا ایک تدبیر لطیف سے اس کا وسوسہ زائل کریں۔ ان حضرات کی عادت ہوتی ہے

(۱) نافرمانی (۲) رات کو

کہ زبان سے کچھ نہیں کہتے بلکہ ترکیب سے مرض زائل کرتے ہیں [۱]۔

حضرت فریدالدین عطار کا اپنے مرید عشق مجازی کا علاج

اس پر ایک حکایت یاد آگئی۔ حضرت فریدالدین عطارؒ کے ایک مرید تھے حضرت کے گھر ایک باندی تھی یہ مرید صاحب اس پر فریفتہ ہوگئے حضرت کو اطلاع ہوئی۔ زبان سے کچھ نہیں فرمایا اس باندی کو دستوں کی دوا کھلادی اس کو دست آنے شروع ہوئے اور حکم دیا کہ ان دستوں کو ایک جگہ جمع رکھو اور اس باندی کی حالت یہ ہوئی کہ اس کے چہرے کا رنگ ارغوانی بالکل پیلا ہوگیا اور چہرے پر بے رونقی ہوگئی اس کے بعد اس باندی کے ہاتھ اس مرید کے پاس کھانا بھیجا اور چھپ کر دیکھا کہ اس کو دیکھتا ہے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ اس طرف رخ بھی نہیں کرتا حضرت نے فرمایا کہ ہم کو تمہارے تعلق کی اطلاع ہے۔ اب اس کو کیوں نہیں دیکھتے یہ تو وہی ہے اب ہم بتلاتے ہیں کہ اس میں کونسی شئے کم ہوئی ہے اور حکم دیا کہ وہ کونڈا لاؤ جس میں دست جمع ہیں وہ کونڈا آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہارا محبوب یہ ہے۔

حضرت معروف کرخیؒ کا غیبت کرنے والے پر عتاب

حضرت معروف کرخیؒ کی حکایت ہے کہ ایک شخص نے ان سے عرض کیا

(۱) واقعات کے بعد یہ ترکیب آرہی ہے

کہ آپ کا فلاں مرید شراب خانہ میں مست پڑا ہے۔ حضرت کو غیبت کرنا اس کا برا معلوم ہوا اور اس کو سزا دینا چاہا زبان سے تو کچھ نہیں فرمایا۔ فرمایا کہ جاؤ اس کو کندھے پر اٹھالاؤ۔ یہ بہت چکرائے اور پچھتائے لیکن کرتے کیا پیر کا حکم تھا۔ شراب خانے میں گئے اور اس کو کندھے پر لارہے تھے اور لوگ کہتے تھے کہ بھائی ان صوفیوں کا بھی کچھ اعتبار نہیں دیکھو دونوں نے شراب پی ہے۔ ایک کو تو نشہ ہو گیا اور دوسرے کو اب ہوگا۔ دونوں اپنا عیب چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

موت کو پیش نظر رکھنے کے آثار

چنانچہ اس فقیر نے بھی اس بادشاہ سے زبان سے تو کچھ کہا نہیں ایک لطیف تدبیر سے اس کا علاج کیا۔ وہ یہ کہ اس فقیر نے یہ بات کہی کہ ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ تمہاری موت قریب ہے۔ چالیس دن کے اندر اندر تم مرجاؤ گے۔ یہ بات سن کر بادشاہ کا رنگ فق ہو گیا اور چہرہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ ہاتھ پاؤں میں سنسناہٹ پیدا ہو گئی۔ اور جھرنا شروع ہو گیا۔ فرمایا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں مرنا تو ایک دن ہے ہی اب تم کو چاہیئے کہ اپنا انتظام کرلو۔ اہل حقوق کے حقوق ادا کردو اور خود گوشہ نشین ہو کر اللہ کی یاد کرو اور یہ گولیاں کھالیا کرو۔ ان سے عبادت کی طاقت رہے گی۔ بادشاہ وہاں سے اٹھ کر قلعہ میں آئے وزراء امراء کو بلا کر جملہ امور سلطنت کا انتظام کیا ولی عہد کو سلطنت سپرد کر کے خود ایک حجرے میں بیٹھ گئے۔ جب چالیس روز گزر گئے اور مرے نہیں تو خوش ہوئے لیکن حیرت اور تعجب ہوا کہ شاہ صاحب نے تو پیشین گوئی کی تھی یہ بات کیا ہے؟ خوش خوش

شاہ صاحب کے پاس گئے اور عرض کیا کہ حضرت موت تو نہیں آئی۔ فرمایا کہ گولیاں کھائیں کھا کہ کھائیں۔ پوچھا کچھ اثر انہوں نے کھا اثر کیا کرتیں موت تو سامنے کھڑی رہتی تھی فرمایا کہ تم کو تو موت میں چالیس روز کی مہلت بھی تھی باوجود اس مہلت کے تم کو کچھ اثر نہیں کیا اور فقیر کو تو ایک گھڑی کی بھی توقع نہیں پھر مجھ پر ان کا کیا اثر ہوتا۔ تو تمہارا وہ گمان کیسے ہوسکتا ہے بادشاہ اپنے وسوسہ پر شرمندہ اور نادم ہوا اور معذرت کی۔ حضور ﷺ استنجے کے بعد تیمم فرمالیتے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ (پانی تو موجود ہے فرمایا کہ کیا معلوم کہ پانی آنے تک زندہ بھی رہوں۔

صاحبو! موت کو پیش نظر رکھنے کے یہ آثار ہیں۔ اب کبھی کوئی اگر اس معاملے میں اختیار کرے گا۔ اب بھی وہی نفع ہوگا۔ یہ حاصل ہے اس آیت کا۔

خلاصہ وعظ

خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص کو دینی اصلاح کی ضرورت ہے اور اصلاح کے واسطے مراقبہ موت کا نسخہ استعمال کرنا چاہیئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ جب یہ مراقبہ صحیح ہوجائے گا تو غلطی سے بھی گناہ نہ ہوگا۔ اس وقت جو مجھ کو بیان کرنا تھا۔ بیان ہوچکا۔ امید ہے کہ اس پر عمل کیا جائے گا۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں آمین

(برحمتک یا ارحم الراحمین)